بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمہوریت نہیں، خلافت

(سلطانیٔ جمہور) (حکومتِ الٰہیہ)

متعدد دانشور نما حضرات سے آپ نے درج ذیل طرح کی خیال آرائی سنی ہوگی:

☆ ''جمہوریت اسلام سے متصادم نہیں''۔

☆ ''جمہوریت کی بقا اسی میں ہے کہ.....''۔

☆ ''ہم نے عقل سے کام نہ لیا تو جمہوریت کا تانا بانا بکھر جائے گا''۔

☆ ''استحکامِ جمہوریت کیلئے ضروری ہے کہ.....''۔

☆ ''اصل جمہوریت ہے ہی اسلام میں''۔ وغیرہ وغیرہ

صدیوں کے انحطاط و زوال نے مسلمانوں کی مت ماردی ورنہ ایسے حضرات سے کوئی پوچھے کہ وقت کے اس موڑ پر کفر کے ڈنکے بجتے دیکھ کر، اسلام اور کفر کے فرق کو ہی مٹا دینے کے درپے ہو جانا' کیا یہی دانشمندی ہے؟ ''اسلامی جمہوریت'' اور جمہوری اسلام جیسی پیوند کاری کر کے یہ حضرات لاکھ حقِ نمک ادا کریں، حقیقت بہرحال اٹل کہ خلافت اور جمہوریت ایک دوسری کی ضد اور 180 درجے برعکس ہیں۔ تفصیلات بعد میں، خلافت اور جمہوریت کی درج ذیل تعریف (Definition) سے ہی دو اور دو چار کی طرح عیاں کہ جمہوریت ہمیں نہیں چاہئے تو کیوں اور خلافت چاہئے تو کیوں؟

خلافت کیا ہے؟

۱۔ اللہ و رسولؐ کے احکامات اگر قرآن و کتبِ احادیث کے صفحات تک محدود رہیں تو

محض ایک تھیوری، ایک نظریہ اور ایک فلسفہ ہیں۔ زیادہ سے زیادہ انہیں اسلامی نظریہ کہا جا سکتا ہے لیکن جب یہ احکامات کسی خطۂ زمین میں عملاً نافذ ہو جائیں تو یہی ''خلافت'' ہے۔ بالفاظِ دیگر خلافت اقامتِ دین کا مظہر اور بنابریں اصل دین ہے۔

۲۔ چونکہ خلافت دینِ اسلام کی عملی صورت ہے لہٰذا کوئی پیغمبرؑ دنیا میں ایسا نہیں مبعوث ہوا کہ جس نے بعثت کے پہلے ہی دن سے قیامِ خلافت کی جدوجہد نہ کی ہو۔ دورِ نبوت کے ایک طرف دورِ جہالت تو دوسری طرف دورِ خلافت، رسولؐ کی تیئیس سالہ دورِ نبوت کا حاصل کیا تھا؟ ظاہر ہے ''قیامِ خلافت''۔

۳۔ خلافت اصل میں زیرِ آسماں اللہ تعالیٰ کی حکومت کا نام ہے۔ ہے تو پوری کائنات پر حکمرانی اللہ تعالیٰ کی لیکن زمین پر اپنی حکومت کا اس نے اسی طرح انوکھا انداز اپنایا ہے جس طرح کہ اس دھرتی پر انسان جیسی سننے، سمجھنے، بولنے اور سب سے بڑھ کر صوابدیدی اختیارات عطا کی جانے والی انوکھی مخلوق پیدا کر رکھی ہے۔ بالفاظِ دیگر زمین پر اللہ تعالیٰ اپنی حکومت اپنے بندوں کے ذریعہ قائم کرتا اور چلاتا ہے۔ اسی لئے ایسی حکومت کا نام ''خلافت'' ہے۔

۴۔ خلافت، اتحاد کی اعلیٰ ترین اور فطری صورت ہے۔ پوری اسلامی دنیا کے وسائل و ذرائع اس ایک خلیفہ کے ہاتھ میں مجتمع کہ جس کی اطاعت ''سمع وطاعت'' کی حامل، اس سے بڑھ کر اتحاد اور اتحاد کے ذریعہ طاقت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

جمہوریت کیا ہے؟

جمہوریت کے موجدین جمہوریت کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"Government of the people, by the people, for the people"

دوسرے لفظوں میں جمہوریت ایک ایسا نظامِ حکومت ہے کہ جس کی بنا لوگوں کی خواہشات کی تکمیل میں استوار ہوتی ہے۔ اس نظامِ حکومت میں یہ نقص تو ہے ہی کہ ضروری نہیں

لوگوں کی خواہشات بھی وہی ہوں جو اللہ تعالیٰ کی خواہش ہے لہٰذا اس نظام کی بنیاد ہی اللہ تعالیٰ سے بغاوت پر مبنی ہے۔ لوگوں کی خواہشات منفی بھی ہوسکتی ہیں اور سفلی ہونے کی بنا پر نقصان دہ بھی' جمہوریت کو بہرحال لوگوں کی خواہشات کو پورا کرنا ہوتا ہے خواہ وہ کتنی ہی مضر کیوں نہ ہوں؟ جمہوریت مبنی بر بغاوت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ تو ہے ہی خود لوگوں کے لئے مزید دو طرح سے نقصان دہ ہے۔

1۔ جمہوریت کی اٹھان اکثریت پر ہے۔ جس پارٹی کو زیادہ ووٹ مل جائیں وہ حکومت بناتی ہے۔ قرآنِ کریم میں بار بار آیا کہ ''اکثر الناس لا یعلمون'' کہ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ جاہل ہوتی ہے (تمام ووٹر یکساں معیار کے تو ہوتے نہیں)۔ جب اکثریت جاہلوں کی ہوتی ہے تو ظاہر ہے وہ جاہلوں کو آگے لاتی ہے یعنی حکومت جو اس طور بنتی ہے وہ جاہلوں کی حکومت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ خلافتِ راشدہ میں کبھی بھی انتخابات ''ہر بالغ فرد۔ ایک ووٹ'' کی بنیاد پر نہیں ہوئے۔ انتخابات میں صرف اولوالامر یا اربابِ حل وعقد نے حصہ لیا۔

2۔ جمہوریت قائم ہونے کے لئے جو طرزِ انتخاب اختیار کرتی ہے وہ جوئے بلکہ ''مہا جوئے'' کی ایک شکل ہے۔ جس طرح تھڑے پر بیٹھ کر چند جواری جوا کھیلتے ہیں' جیتنے والا خوش اور ہارنے والے ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں اسی طرح ایک انتخابی حلقے میں چند امیدوار سرمایہ لگاتے ہیں۔ تمام لگائے گئے سرمائے کا فائدہ ایک امیدوار اٹھاتا چلتا بنتا ہے' باقی ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ تھڑے پر جوا کھیلنے والوں کو البتہ پولیس آ پکڑتی ہے اور علماء کرام ان کے خلاف فتویٰ صادر کرتے ہیں جب کہ انتخابی حلقہ میں کھیلنے والے جواریوں کو حکومت ہر سہولت مہیا کرتی ہے اور علماء خود جوا کھیلتے ہیں۔

مندرجہ بالا تعریف سے یہ بھی عیاں کہ غیر مسلم اگر جمہوریت اختیار کریں تو ان کی مجبوری اس لئے کہ وہ خلافت سے ہیں ہی نا آشنا' رسمِ زمانہ کی رو میں بہہ کر اگر ہم مسلمان جمہوریت نواز بنیں تو ظاہر ہے یہ ناشکری بھی ہے اور بدبختی بھی۔ پاکستان میں مثال کے طور پر اگر

ہم نے جمہوریت اور جمہوری ادارے قائم کرنے تھے تو بھارت سے علیحدہ ہی کیوں ہوئے تھے' وہاں پر تو اب بھی ہم سے بہتر جمہوریت رواں دواں ہے۔

اصل میں بندوں پر بندوں کی حکومت سب برائیوں کی جڑ ہے۔ حکمران تو خلافت میں بھی بندے ہی ہوتے ہیں اور جمہوریت میں بھی لیکن اس بڑے فرق کے ساتھ کہ خلافت میں بندے محض منتظم ہوتے ہیں' ذیلی قانون سازی (Working Details) تو کرتے ہیں' اصولی نہیں۔ اصولاً اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قانون (قرآن وسنت) کو نافذ کرتے ہیں۔ الٰہی قانون خلیفۃ المسلمین پر بھی اسی طرح نافذ ہوتا ہے جیسے کہ ایک عام شہری پر۔ جمہوریت میں قانون سازی بھی بندے خود ہی کرتے ہیں تو حکمرانی بھی۔ بندوں کا تیار کردہ قانون چونکہ کئی لحاظ سے ناقص ہوتا ہے لہٰذا وہ نظام جو معرضِ وجود میں آتا ہے وہ کچھ انسانوں کی عیاشی وسہولت کا باعث بنتا' باقی پوری انسانیت کیلئے وبالِ جان بنا رہتا ہے۔ مغربی دنیا نے جمہوریت اختیار کر کے اپنے علاوہ بلکہ انجام کار خود کو بھی فتنہ وفساد اور مشکلات ومصائب سے دوچار کر دیا ہے۔

انسان فطرت کی فیکٹری کا پروڈکٹ ہے لہٰذا اس کے لئے قانون بنانا اسی طرح صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے جس طرح کہ کسی فیکٹری کے مالک کو ہی حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی فیکٹری میں تیار ہونے والے پروڈکٹ کو استعمال میں لانے کی ہدایات جاری کرے۔ اصل میں قانون ساز کے لئے کم از کم تین اوصاف کا حامل ہونا لازمی ہے۔ پہلا وصف یہ کہ وہ غیر جانبدار ہو۔ اس کا کوئی رشتے دار' کاروبار وغیرہ نہ ہو غرضیکہ کسی قسم کا مفاد قانون سے وابسطہ نہ ہو۔ امیر وغریب' آجر و اجیر' میاں بیوی غرضیکہ ہر طبقے کا مفاد اس کے نزدیک یکساں ہو۔ اس معیار پر صرف اللہ تعالیٰ ہی پورا اترتا ہے' دیگر کوئی نہیں۔ دوسری صفت یہ کہ وہ پوری انسانیت پر محیط ہو۔ اس دنیا میں آنے والے پہلے انسان کیلئے بھی قانون بنائے تو وہی اور آخری کے لئے بھی بنائے تو وہی تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں کیلئے قانون آسان تھا جب کہ میرے لئے مشکل۔ پھر وہ نہ صرف پوری انسانیت پر محیط ہو بلکہ عالم الغیب بھی ہو۔ رات کی اندھیری کوٹھری میں جرم کرنے والے مجرم سے بھی آگاہ

ہو۔ جھوٹی گواہیوں سے اس دنیا کی عدالت سے بچ نکلنے والے کو بھی گرفت میں لائے۔ یہ صفت بھی صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہے۔ اس نے تو قیامت کو رکھا ہی اس لئے اس دنیا کے اختتام پر ہے کہ حق بحق دار رسید۔ قانون ساز کے لئے تیسری لازمی صفت یہ ہے کہ وہ قدیر ہو۔ وہ کسی کو سزا دینا چاہے تو کوئی اس کے راستے میں حائل نہ ہو اور اسی طرح کسی کو نوازنے کی پوری قدرت رکھتا ہو۔ یہ صفت بھی صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ کا تیار کردہ قانون حتمی و موزوں تر ہونے کی بنا پر انسانیت کے حق میں ہوگا جب کہ بندوں کا بنایا ہوا قانون ناقص بھی، متعصب بھی لہٰذا انسانیت کے لئے مضر اور ظالمانہ بھی ہوگا۔

پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کا قانون کارفرما ہے۔ زمین، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک مخلوق کو صوابدیدی اختیارات دے رکھے ہیں کہ وہ چاہے تو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قانون پر مبنی نظام اپنائے اور چاہے تو خود ساختہ قوانین پر مبنی نظام کو رواں دواں رکھے، اگر اللہ تعالیٰ کا قانون ہی نافذ ہو تو باقی کائنات سے ہم آہنگ ہونے کی بنا پر انسانیت کے لئے رحمت و راحت کا باعث بنتا ہے۔ بصورتِ دیگر یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون کی بجائے اگر انسان ساختہ قوانین نافذ ہوں جیسے کہ آمریت، اشتراکیت، جمہوریت وغیرہ کی شکل میں ہوتا ہے تو معرضِ وجود میں آنے والا نظام نہ صرف انسانیت کے لئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوقات کیلئے بھی باعثِ عذاب و اذیت ہوتا ہے۔ جمہوریت کی پوری ماہیت کو جاننے کے لئے ہم یہاں پر کسی انسان ساختہ قوانین پر مبنی دستاویز کا تجزیہ کرتے ہیں یہ جاننے کے لئے کہ اس سے جو نظامِ زندگی وجود پذیر ہوتا ہے اس کی ہولناکیاں تو درکنار، وہ دستاویز خود تضادات کا پلندا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم ملکِ عزیز پاکستان کے آئین عرف 73ء کے آئین کے تضادات کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ آئین جس کے ابتدائی حصے (دفعہ 2) میں درج ہے کہ اسلام ملک کا سرکاری مذہب ہوگا، خود کوئی اسی فیصد قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو:

طرزِ انتخاب

کسی بھی نظام میں طرزِ انتخاب کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ معرضِ وجود میں لائے جانے والے نظام کی یہ پہلی اینٹ ہے۔ اگر یہ پہلی اینٹ ٹیڑھی لگ جائے تو تاثر یا دیوار کج ہی جائے گی۔ قرآن وسنت کو تو یہ طرزِ انتخاب وضع کرتے وقت درخورِ اعتناء ہی نہ سمجھا گیا' اپنی خواہشات اور رسمِ زمانہ کی پیروی کرتے ہوئے اس میں ''ہر بالغ فرد ایک ووٹ'' کے اصول کو اپنایا گیا۔ اسلامی تاریخ کے ورق الٹیئے' بار بار الٹیئے' چاروں خلفاء راشدین میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی اس اصول کے مطابق نہ ہوا۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ قرآنِ مجید اس اصول کے برعکس مستقل ایک اور اصول دیتا ہے۔ قرآنِ کریم میں بار بار آیا ''اکثر الناس لا یعلمون.....لوگوں کی اکثریت ہمیشہ جاہل ہوتی ہے''۔ بالفاظِ دیگر جس نظام کی اٹھان لوگوں کی اکثریت کے بل بوتے پر ہوگی' وہ نظام لازماً جاہلانہ ہوگا۔ اسلام میں حقِ رائے دہی صرف اربابِ حل وعقد یعنی پہلے سے موجود اولی الامر کو حاصل ہے اور بس۔ خود امیدوار کھڑے ہو کر اپنے حق میں ووٹ مانگتے پھرنا اور اپنی تعریف خود کرتے پھرنا باطل نظام کی پرورش کرنے کا ایک اور ذریعہ ہے۔ اسلام پہلے ہی قدم پر اس بھیانک روش کا قلع قمع کرتا ہے۔ رسولؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

''نہیں دیتے عہدہ ہم اسے جو خود مانگتا اور تانگتا پھرے'' (مسلم)

ہمارے ہاں کا مروجہ طرزِ انتخاب تو ویسے ہی قمار بازی کی ایک بھیانک اور وسیع تر شکل ہے۔ جوئے کی فقہی تعریف یہ ہے کہ ایسا کھیل جس میں چند جوئے باز سرمایہ لگاتے ہیں۔ پورے لگائے گئے سرمایہ کا فائدہ ایک جوئے باز لے اڑتا ہے' باقی تمام ہاتھ ملتے گھر لوٹتے ہیں۔ یہی تو ہمارے ہاں انتخابات میں ہوتا ہے۔ ایک حلقے میں چند افراد سرمایہ لگاتے ہیں۔ پورے لگائے گئے سرمائے کا فائدہ منتخب ہونے والا قمار باز لے اڑتا ہے' باقی تمام ہاتھ ملتے گھر لوٹتے ہیں۔ تھڑے پر جوا کھیلنے والے قمار بازوں اور انتخاب لڑنے والے جوابازوں میں البتہ ایک فرق تو یہ ہوتا ہے کہ تھڑے پر کھیلنے والے معمولی سرمایہ لگاتے ہیں جب کہ انتخابات لڑنے والے لاکھوں کی

سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تھڑے پر جواء کھیلنے والوں کو پولیس آ پکڑتی ہے جب کہ انتخابی قمار بازوں کو حکومتِ وقت خود ہر سہولت میسر کرتی ہے تا کہ وہ جی بھر کر کھیلیں۔ پھر تھڑے پر چھوٹے پیمانے پر قمار بازی کرنے والوں کے خلاف علماء کرام فتویٰ صادر کرتے ہیں جب کہ انتخابی قمار بازی علماء کرام خود کھیلتے ہیں۔

اولی الامر

73ء کے آئین کے مطابق کوئی بھی غیر مسلم رکنِ شوریٰ' رکنِ کابینہ اور رکنِ عدلیہ ہو سکتا ہے' صرف صدر اور وزیرِ اعظم کے لئے مسلمان ہونا لازمی ہے۔ ایسا بھی رسمِ زمانہ کی نقالی اور انسانی خواہشات کی پیروی میں کیا گیا ہے۔ اسلامی احکامات کے مطابق ہر وہ مسلمان اولوالامر کا حصہ ہے جو کسی ایسی اسامی پر تعینات ہو کہ جہاں پالیسی امور طے ہوتے ہوں یا سماجی طور پر وہ ایک فائز مقام ہو۔ شوریٰ' عدلیہ' کابینہ کے اولوالامر ہونے میں کوئی کلام ہے ہی نہیں۔ ربِ کائنات تو مومنوں سے یوں مخاطب ہوتا ہے کہ ''اولوالامر منکم .....یعنی اولوالامر مسلمانوں میں سے ہونے چاہئے'' بالخصوص ارکانِ شوریٰ کیلئے تو جیسا اوپر بیان ہوا مجتہد ہونا لازمی ہے۔ بتایا جائے کہ درج ذیل حکم کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا نہیں؟

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں' پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ و رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر واقعی تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی صحیح ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر'' (نساء:59)۔

ایک طرف اللہ تعالیٰ کا غیر مسلموں کو اولوالامر میں شامل نہ کرنے کا حکم' دوسری طرف اپنی خواہشات کی پیروی میں 73ء کے آئین میں غیر مسلموں کو اولوالامر میں شامل کرنے کا قانون' بتایئے طاغوت اور کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی قصور نہیں تھا نامراد فرعون کا؟ کس قدر ڈھٹائی؟ ڈوب مرنے کا مقام ہے ان حضرات کیلئے جنہوں نے طاغوتی دستاویز پر آج سے کوئی تیس سال پہلے مہرِ

تصدیق ثبت کی اور آج تک اس عظیم حادثاتی غلطی کو دہرائے جا رہے ہیں۔

قرآنی معیارِ اہلیت

قرآن جب انتخابات کی بات کرتا ہے تو اس کے لئے پانچ اوصاف پر مشتمل معیارِ اہلیت بھی دیتا ہے۔ بڑا اہم کام ہے عوامی نمائندوں کے لئے معیارِ اہلیت مقرر کرنے کا۔ اسلام اس بارے میں کیسے خاموش رہ سکتا تھا؟ پانچ اوصاف یعنی ایمان (نور: 55)' تقویٰ (حجرات: 13)' صلاح (نور: 55)' علم اور جسم (بقرۃ: 247) پر مشتمل معیارِ اہلیت خود قرآن میں دیا گیا۔ ہمارے ہاں کے مروجہ طریقِ انتخاب جسے 73ء کے آئین کی پشت پناہی حاصل ہے کی دفعات 62 اور 63 میں گو معیارِ اہلیت دینے کی بودی سی کوشش کی گئی ہے لیکن وہ اسقدر ناقابلِ عمل ہے کہ عملاً صرف ایک ہی اہلیت وجہ کامیابی بن کر رہ گئی ہے اور وہ اہلیت ہے ''سرمایہ داری'' یعنی سرمایہ کاری کرنے کی استعداد۔ ربِ کائنات کو پتہ تھا کہ عیار لوگ سرمائے کے بل بوتے پر لوگوں کو رام کرنے کی جسارت کریں گے لہٰذا اس نے جس آیۂ مبارکہ میں علم اور جسم جیسی دو اہم اوصاف کو قرآنی معیارِ اہلیت کا حصہ بنایا اسی میں سرمایہ داری و سرمایہ کاری کو معیارِ اہلیت بنانے کی نفی کر دی۔ ملاحظہ ہو قرآن:

''ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے ''ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے''۔ نبی نے جواب دیا ''اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسے منتخب کیا ہے اس لئے کہ اسے علم اور جسم کی اہلیتیں فراوانی سے عطا کی ہیں.....'' (بقرۃ: 247)۔

عورت کی سربراہی

اسلام کے معاشرتی و سیاسی نظام میں چھوٹے سے چھوٹا انتظامی یونٹ ''گھر'' ہے۔ یہ

یونٹ چھوٹا تو ہے لیکن اس قدر بنیادی کہ کوئی بھی معاشرہ وتمدن بالآخر گھروں کے مجموعے سے بنتا ہے۔ جیسی اینٹ ویسی دیوار کے مصداق جیسا یہ بنیادی یونٹ ہوگا ویسا ہی معاشرہ معرضِ وجود میں آئے گا۔ اسلام نے بنا بریں اس یونٹ کی ہئیت وکارکردگی کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ خود قرآنِ مجید میں جتنی ہدایات گھریلو زندگی کے متعلق ہیں کسی اور یونٹ کے متعلق نہیں۔ پتے کی بات جو یہاں کی جانی مطلوب ہے' یہ ہے کہ اسلام اس چھوٹے سے چھوٹے یونٹ کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں نہیں' نہ صرف مرد کے ہاتھ تھماتا ہے بلکہ اس تھمانے کی مصلحت بھی بیان کرتا ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''مرد عورتوں پر قوام ہیں' اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں.....'' (نساء:34)۔

ظاہر ہے جب اسلام چھوٹے سے چھوٹے انتظامی یونٹ کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ نہیں تھماتا تو وہ پورے ملک کی قیادت کو صنفِ نازک کے سپرد کرنے کا کیسے روادار ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا حکم تو سپریم ہے' خود ساختہ آئین کے مصنفین اگر سوچتے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی جب اپنے گھر کی قیادت اپنی بیوی کے سپرد کرنے پر آمادہ نہیں تو پورے ملک کی سربراہی اس کے ہاتھ دینے کی حماقت کیوں؟

آئین کے مصنفین تو ظاہر ہے اپنی خواہشات کے اور رسمِ زمانہ کی پیروی کر ہی رہے تھے' حسرت تو ان علماء کرام اور دینی سیاسی جماعتوں پر ہے جو فریب میں آکر رسولؐ کے اس ارشادِ مبارک کو بھی گول کر گئیں کہ وہ قوم تباہ ہوگئی جس نے اپنی باگ ڈور عورت کے ہاتھ تھما دی۔ اس ایک غیر اسلامی قدم یعنی عورت کی سربراہی کی گنجائش پیدا کرنے سے خود ساختہ آئین کے وہ حصے جو سربراہِ مملکت (The President) اور وفاقی حکومت (The Federal Govt.) پر مشتمل ہیں سب غیر اسلامی قرار پاتے ہیں۔

دوسر براہان

اسلامی حکومت میں سربراہ کی حیثیت' مشروط سہی' مطاع کی ہوتی ہے۔ سربراہِ وقت کی اطاعت اسی طرح لازم کہ جس طرح اللہ ورسولؐ کی اطاعت۔ مطاع کو اگر دو یا زیادہ عہدوں میں تقسیم کر دیا جائے تو ایسے عہدے دار اسی طرح باہم متصادم ہو جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اگر دو الٰہ ہوتے تو کائنات کا نظام کبھی نہ چل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اوپر دی گئی سورۂ نساء کی آیت نمبر 34 میں مرد کو قوام بناتے وقت ایک وجہ یہ دی گئی ہے کہ کسی بھی انتظامی یونٹ میں ایک کو افضل (سربراہ) بنانا بہرحال لازمی ہے۔ خود ساختہ آئین میں دو سربراہوں..... ایک سربراہِ مملکت (صدر) اور دوسرا سربراہِ حکومت (وزیرِ اعظم) کی پرویژن اس قدر غیر اسلامی ہے کہ اس نے پورے آئین کو اسلام کے خلاف کھڑا کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں آئے دن صدر اور وزیرِ اعظم کی باہمی چپقلش نے تو تجربے سے بھی ثابت کر دیا ہے کہ مطاع کو منقسم نہیں ہونا چاہیئے۔ یاد رہے دورِ خلافتِ راشدہ کا اختتام ہوا ہی تو اس وقت جب ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کی بیعت ہونے لگی۔ خلافتِ وقت کا دو سربراہوں میں بٹ جانا اسلامی تاریخ کا وہ عظیم حادثہ ہے کہ جس سے اتری ہوئی گاڑی آج تک پٹڑی پر نہیں چڑھ پائی۔ کس قدر پتے کی بات بتا دی ہوئی ہے ہادیٔ برحق نے' فرمایا:

''جب دو خلیفہ سے بیعت کی جاوے تو جس سے آخر میں بیعت ہوئی ہو اس کو مار ڈالو''۔ (اس لئے کہ اس کی خلافت پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے باطل ہے)۔ (مسلم)

یوں خود ساختہ آئین کا وہ تمام حصہ جو صدر' وزیرِ اعظم بلکہ پروونشیل گورنمنٹس' گورنروں' صوبوں اور فیڈریشن کے باہمی تعلقات وغیرہ پر پھیلا ہوا ہے تمام غیر اسلامی قرار پاتا ہے۔

مجلسِ شوریٰ (The Parliment)

رسمِ زمانہ نے آئین کے مصنفوں کو مجلسِ شوریٰ کے ساتھ بریکٹ میں (The

(Parliment لکھنے پر مجبور کیا ورنہ اسلامی شوریٰ کو پارلیمنٹ سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ مشرق کو مغرب سے۔ دونوں کے فرائضِ منصبی ہی میں 180 درجے کا فرق ہے۔ مروجہ پارلیمنٹ ایک قانون ساز ادارہ ہے جس میں بندوں کی کی ہوئی قانون سازی (جو محض ارکانِ پارلیمنٹ کی خواہشات پر مبنی ہوتی ہے) کے مطابق کاروبارِ حکومت اور کاروبارِ زندگی چلتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی شوریٰ' خلیفۂ وقت جس کا حصہ ہوتا ہے' کے ہاتھ بندھے ہوتے ہیں۔ وہ قانون سازی نہیں کر سکتے' قانون سازی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ ''ان الحکم الا للہ''۔ شوریٰ کا اصل' بلکہ اگر واحد فرضِ منصبی کہا جائے تو مضائقہ نہیں' ہر اس معاملہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کر کے خلیفۂ وقت کو مشورہ دینا ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں خلیفۃ المسلمین کو براہِ راست قرآن وسنت سے ہدایات نہ ملیں۔ اجتہاد کی اس پرویژن سے ہی قرآن وسنت وہ درجہ اختیار کرتے ہیں کہ جسے قرآن ہی میں ''الیوم اکملت لکم دینکم'' کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ سینکڑوں ایسے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے متعلق براہِ راست قرآن وسنت سے ہدایات نہیں ملتیں۔ اسلام میں اجتہاد کی پرویژن ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔

دوایوان

خود ساختہ آئین کا وافر حصہ دوایوانوں یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ کے لئے مختص ہے حالانکہ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں اس لئے کہ جس کیفیت وصورتِ حال کے لئے سیکولر دنیا میں یہ دوایوانی پارلیمنٹ بنائی جاتی ہے وہ اسلام میں پیدا ہی نہیں ہوتی۔ رسمِ زمانہ کی نقالی میں ہمارے ہاں بھی قومی اسمبلی کا وجود تو مختلف صوبوں کی آبادی کے متناسب ارکان پر مشتمل ہے جب کہ سینٹ میں تمام چھوٹے بڑے صوبوں سے لئے گئے ارکان کی تعداد برابر ہے۔ ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ ارکانِ قومی اسمبلی کسی بڑے صوبے سے تعلق رکھتے ہوئے اپنی اکثریت کی بناء پر کسی دوسرے صوبے کو نفع یا نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اسلام میں فیصلے (نہ کہ قانون سازی) جب کرنے ہی قرآن وسنت کے مطابق ہیں تو علاقے' زبان یا کسی اور بنیاد پر کسی کے نفع یا نقصان پہنچانے کا

امکان ہی کہاں کہ دو ایوانوں کی ضرورت پڑے۔ اسلام میں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ خلیفۂ وقت ارکانِ شوریٰ کی اکثریت کی رائے پر عمل کرے۔ اگر خلیفۃ المسلمین کو تمام ارکانِ شوریٰ کے مقابلہ میں صرف ایک رکنِ شوریٰ کی رائے قرآن وسنت کے قریب تر محسوس ہو تو وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ یہ تو محض ایک رکن کی رائے ہے۔ ترجیح قرآن وسنت کو ہے نہ کہ اکثریت کی رائے کو۔ مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوری شوریٰ کی رائے کو ٹھکرا دیا۔ وقت نے ثابت کیا کہ ان کا فیصلہ ہی قرآن وسنت سے قریب تر تھا۔

اسلام کی رو سے البتہ دو ایوان کا ہونا اس طور جائز بلکہ ترجیح کا حامل ہے کہ ایک ایوان مرد حضرات کے لئے مختص ہو تو دوسرا خواتین کے لئے اور ہر دو کی اہمیت و وقعت یکساں ہو۔ اس سے ایک تو مخلوط مجلس' جو شریعت کی صریحاً خلاف ورزی ہے' کا انعقاد ختم ہو جائے گا اور دوسرے خواتین کھل کر بہتر انداز میں اپنی رائے اور فیصلے کا اظہار کر پائیں گی۔ شوریٰ کی اصل روح یہی ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل

73ء کے آئین میں مجلسِ شوریٰ کے علاوہ اسلامی نظریاتی کونسل کا وجود تو اسلام کے ساتھ ایک سنگین مذاق ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اور جیسا کہ شوریٰ کے نام ہی سے عیاں ہے' شوریٰ کا اصل کام اجتہاد کرتے ہوئے خلیفہ کو مشورہ دینا ہے۔ اجتہاد' ظاہر ہے وہ کر سکتا ہے جس کا نہ صرف قرآن وسنت پر کلی عبور ہو بلکہ وہ عالمی امور سے بھی پوری طرح آگاہ ہو۔ اسی لئے تو عوامی نمائندوں کیلئے قرآنی معیارِ اہلیت میں ایک شرط ''علم'' کی ہے۔ کس قدر غیر اسلامی ہے 73ء کا آئین کہ اَن پڑھ تک کو رکنِ شوریٰ ہونے کی اجازت دیتا ہے (بی اے ہونے کی شرط بھی اب لگی ہے جو ظاہر ہے نا کافی ہے)۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی کالج میں لیکچرر تو اَن پڑھ کو تعینات کر دیا جائے اور پھر اس کمی کو پورا کرنے کیلئے اہل افراد کی ایک علیحدہ ٹیم بنا کر خواہ مخواہ کالج کے بجٹ پر بوجھ ڈالا جائے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی 180 درجے مخالفت نہیں جسمیں کہا گیا ہے کہ ''امانتیں

(عہدے) اہل افراد کے سپرد کرو‘‘ (نساء:58)۔

وفاقی شرعی عدالت

شرعی عدالت کی 73ء کے آئین میں پرویژن سے تو سو فیصد عیاں ہے کہ اس آئین کو بنایا ہی گیا اسلام کا مذاق اڑانے کیلئے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت شرعی ہے تو کیا پاکستان میں کوئی غیر شرعی عدالت بھی مطلوب ہے؟ عدالت اور غیر شرعی‘ چہ بوالعجبی ؟ انسان جب قانون سازی کرے گا تو ایسی قانون سازی کا تضادات کا مجموعہ ہونا لازمی ہے۔

طریقِ قانون سازی

قانون سازی اور بندوں سے ’’ان الحکم الا اللہ‘‘ کی کھلم کھلا خلاف ورزی تو ہے ہی‘ بیچارے رحمت کا ہاتھ کانپ رہا ہے اس طریقِ قانون سازی کو تحریر میں لاتے جو 73ء کے جمہوری آئین میں درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

قانون سازی یا متبادل قانون سازی کی تحریک خواہ عدالت کی طرف سے ہو‘ اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے یا کسی رکنِ شوریٰ کی طرف سے‘ دو صورتوں سے دوچار ہوتی ہے۔ پہلی صورت تو یہ کہ حکومتِ وقت ایسی ترمیم یا قانون سازی کو دل سے قبول نہیں کرتی۔ ایسا ہو تو حیلے بہانے بیل کبھی منڈے نہیں چڑھتی اس لئے کہ حکومتِ وقت کے پاس ٹالنے کے اَن گنت طریقے ہوتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے وہ ٹالتی ہی چلی جاتی ہے۔ اگر پارلیمنٹ میں ہی معاملہ آجائے تو چونکہ پارلیمنٹ میں حکومتِ وقت کی اکثریت ہوتی ہے لہٰذا معاملہ وہی بن جاتا ہے کہ کب گوندھا جائے‘ کب پکایا جائے اور کب کھانے کی نوبت آئے؟

دوسری صورت یہ ہے کہ حکومتِ وقت بھی ترمیم یا نئی قانون سازی کے حق میں ہوتی ہے اور دل و جان سے ترمیم کرنا چاہتی ہے لیکن خود ساختہ آئین میں ترمیم کیلئے دو تہائی اکثریت کا ہونا لازمی ہے۔ یاد رہے کہ تاریخِ پاکستان میں کم ہی ایسا ہوا ہے کہ حکومتِ وقت کو دو تہائی اکثریت

حاصل ہواور یہ دوتہائی اکثریت کا میسر نہ ہونا صدیوں پر بھی محیط ہوسکتا ہے۔ایسے میں مطلوبہ ترمیم کا کیا حشر ہوگا؟ یہی نہ کہ عدالتیں بھی' حکومتِ وقت بھی حتیٰ کہ پوری قوم بے بس ہوگی۔ترمیم نہیں کر پائے گی خواہ عدالت میں آئین کے جس حصے کو بدلنا ہے' وہ غیر شرعی قرار پاچکا ہو۔اللہ تعالیٰ کل کو میدانِ حشر میں پوچھے گا کہ خود ایک دفعہ شق کو غیر شرعی قرار دینے کے بعد تم اس کے ساتھ کیوں چمٹے رہے؟ ظاہر ہے' جواب یہی ہوگا کہ ہمارے ہاتھ دوتہائی اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے بندھے تھے۔ بتایئے' اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عذر کیا قابلِ قبول ہوگا؟ اللہ تو یہی کہے گا کہ تم کو کس حکیم نے کہا تھا کہ ہاتھ باندھنے والا کتابچہ خود تیار کر کے اسے آئینِ مملکت قرار دے دو۔میرے عطا کردہ ازلی وابدی آئین کو مجبور ومفلوج کر کے یہ خود ساختہ آئین بنانے کی تم نے جسارت وحماقت کی ہی تو کیوں؟ یہی تو وہ موقع ہوگا جب اپنی امت کی کبھی شکایت نہ کرنے والے نبی ﷺ پکار اٹھیں گے تو یوں:

''اے اللہ! میری قوم نے اس قرآن کو مہجور کیے رکھا'' (فرقان:30)۔

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرض کیجئے کہ حکومتِ وقت کو پارلیمنٹ میں دوتہائی اکثریت حاصل ہے اور وہ اس قابل ہے کہ مطلوبہ ترمیم کر سکے۔آیئے دیکھئے کہ ''زلف کو سر ہونے تک'' مزید کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟

ا۔فرض کیجئے کہ تحریک سود کے متعلق متبادل قانون سازی کے لئے ہے۔73ء کے آئین میں دیئے گئے طریق کے مطابق ایوان میں تحریک بطور بل پیش ہوگی۔بل میں' ظاہر ہے مؤقف اختیار کیا جائے گا کہ موجودہ قانون فلاں فلاں وجوہات کی بناء پر غیر اسلامی ہے اسے قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے۔سب سے پہلے ایسا کرنا ہی قابلِ گرفت ہے اس لئے کہ ممانعتِ سود ایسا ضابطہ ہے کہ جس کا تقریباً چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبیؐ پر نازل کیا جانا اس کے قانون ہونے کی دلیل ہے اور نازل ہونے کے لمحہ سے تا قیامت اسے بطور قانون تسلیم کرنے میں تھوڑی سی پس وپیش بھی ایسا کفر ہے کہ جس کا علاج عمرؓ کی تلوار جیسا ہی ہے۔ (نساء:55)۔ایسا بل آئین میں دیئے گئے طریقہ کے مطابق' صرف منتخب رکن ہی ایوان میں پیش

کرسکتا ہے ورنہ (معاذ اللہ) اللہ کے حکم کی یہ حیثیت کہاں کہ وہ ممبر کی اجازت کے بغیر ایوان میں گھسا چلا آئے۔

۲۔سود کی حرمت کو قانون کی حیثیت دلانے کے لئے جب یہ بل ایوان میں پیش ہوگا تو ایوان میں بحث کے قابل تبھی گردانا جائے گا اگر یہ بل ایوان کے طریقۂ کار کے مطابق اور خود ساختہ آئین کے خلاف نہ ہوگا۔بصورتِ دیگر اللہ کا حکم بل کے درجہ کو بھی نہیں پہنچ پائے گا۔بالفاظِ دیگر اللہ ورسولؐ نے ایوان کے طریقۂ کار کے مطابق نہ ہونے کی اگر جرآت کر لی تو ان کی بات سننے کے نا قابل اور خلافِ ضابطہ قرار دے دی جائے گی۔

۳۔فرض کیجئے کہ قرآن وسنت کی قسمت اچھی نکلی اور بل کو ضابطۂ ہائے ایوان کے مطابق قرار دیتے ہوئے اسے بحث کے لئے منظور کر لیا گیا۔اب بحث کے دوران ویسے تو شریعت کو مسلمان ممبران کی بھی بھانت بھانت کی بولیاں بھی سننا پڑیں گی لیکن شریعت کیلئے مشکل تر مرحلہ وہ ہوگا جب ایک عیسائی ممبر بھی اظہارِ خیال کرے گا' ایک ہندو بھی لاف زنی کرے گا اور دیگر اقلیتوں کا نمائندہ بھی ''دلائل'' دے گا۔یہ بحث ارکان کی نوک جھونک' پھبتیوں' چٹکلوں اور بیت بازی کے ساتھ ایک مدت جاری رہے گی۔کاش کوئی جانتا خوض فی الایات کے متعلق رب کائنات کی طرف سے کتنا بھیانک انتباہ ہے' فرمایا:

''اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے' وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔اب اگر تم وہیں بیٹھے رہتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو۔یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے'' (نساء:140)۔

۴۔''معزز ارکان'' اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں اپنی ناقص آراء سے فارغ ہونگے تو ایوان میں رائے شماری کا مرحلہ آئے گا۔شریعت کیلئے یہ مرحلہ بھی بہت صبر آزما ہوگا۔اس لئے کہ اکثریت کی نظر میں شریعت اگر معیار پر نہ اتری تو اسے سر نیچا کر کے ایوان سے نکلنا ہوگا اور مسجد میں ہی گزر اوقات کرنا ہوگی۔

۵۔فرض کیجئے کہ شریعت کی آبرو رہ گئی اور ایوان نے بل پاس کر دیا۔ یہ بل بہر حال اس وقت تک بل ہی رہے گا جب تک کہ دوسرا ایوان بھی اسے پاس نہ کر دے۔اب تک کی خواری سے شریعت ابھی جزوی طور پر کامیاب ہوسکی۔دوسرا ایوان بھی اتنا ہی مقدس ہے اور وہ بھی شریعت کو اسی طرح کھنگالے گا جس طرح کہ پہلے ایوان نے کھنگالا۔ دوسرا ایوان چاہے تو بل کو صاف مسترد کر دے اور چاہے تو نظر ثانی کیلئے پہلے ایوان کو ریفر کرے۔ ہر دو صورتوں میں اگر پہلا ایوان کوئی کاروائی نہ کرے تو یہ بل خود ہی اپنی موت آپ مر جائے گا۔لہٰذا شریعت کا کام نہ بن سکے گا (نعوذ باللہ من ذلک)۔اگر شریعت کے بارے میں پہلے ایوان کا گوشہ قدرے نرم ہوا تو ایوان بل کی فائل کو پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس بلانے کی غرض سے صدر کو بھیج سکتا ہے۔مشترکہ اجلاس میں خوض فی الایات کا پھر بھرپور مظاہرہ ہوگا۔ یہ شریعت کی بہر حال آخری سعی ہوگی جس کے بعد بات نہ بننے کی صورت میں فائل ہمیشہ کے لئے داخل دفتر کی دی جائے گی۔اللہ ورسولؐ سے جنگ ہوتی ہے تو ہوا کرے پارلیمنٹ کی بلا کو۔

۶۔ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خود ساختہ آئین کی دفعات 70 اور 71 کی رو سے بل پیش ہونے کے بعد پہلے یا دوسرے ایوان میں یا دونوں کے مشترکہ اجلاس میں کہیں بھی اس بل میں ترمیم کر دی جائے اور یوں ایوان کی دیوی شریعت پر مہربانی کر کے اسے پاس کر دے۔اب ایوانوں نے تو بل پاس کر دیا لیکن اس کے لئے تو بڑی سرکار یعنی صدرِ مملکت کی منظوری بھی لازمی ہے۔لہٰذا اب شریعت کو آخری قبولیت کیلئے ایوانِ صدر کی طرف پرواز کرنا ہوگا۔

بتائیے اس پورے طریقۂ کار میں حصہ لینے والوں کے ایمان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ اس میں رتی بھر شک نہیں کہ ان مراحل سے شریعت کو گزارنے کی تو کیا بات اگر کوئی ان مراحل کو تسلیم ہی کر لے تو قرآن وسنت کی رو سے اس کا سر تن پر نہیں رہنا چاہیئے۔ دورِ نبوت میں ایسی ہی حرکت و جسارت کرنیوالے ایک مسلمان کا سر تن سے علیحدہ کر دیا گیا تو مخالفینِ اسلام نے بہت شور مچایا۔ جواباً عرشِ عظیم خود حرکت میں آ گیا۔قرنِ مجید میں شاید ایک ہی جگہ پر ربِ

کائنات نے نبیؐ کائنات کو مخاطب کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کئے کہ ''تیرے رب کی قسم''۔ ملاحظہ ہو قرآن:

''اے محمدؐ! تیرے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں'' (نساء:65)۔

مندرجہ بالا طریق قانون سازی سے بھی عیاں، مزید 73ء کے آئین کی دفعہ 268 کے تحت ملکِ پاکستان میں کوئی ضابطہ (خواہ وہ قرآن وسنت ہی کا کیوں نہ ہو) اس وقت تک قانونی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا جب تک کہ اسے پارلیمنٹ پاس نہ کر دے۔ اسی لئے تو عدلیہ کو بھی اس غرض کیلئے پارلیمنٹ کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے۔ شومئ قسمت، اللہ ورسولؐ کے احکامات اور محتاج ہوں بندوں کی منظوری کے، ایسی پارلیمنٹ کے طاغوت ہونے میں کیا شک؟

فریب کاری

انسان جب قانون سازی کریں گے تو جانبداری، استحصال اور فریب کاری اس کا لازمی جزو ہوگا۔ آپ نے دیکھا وہ آئین جس کی پیشانی پر اسلام درج ہے اور جس میں قراردادِ مقاصد بھی شامل ہے خود اسلام کے مدِ مقابل ہے۔ اس سے بڑی فریب کاری اور کیا ہو سکتی ہے کہ کسی بوتل میں مٹی کا تیل بھر کر اوپر زیتون کا تیل لکھ دیا جائے۔

''من حرامی اور جتاں ڈھیر'' کی بات تھی، اصل میں 1973ء کے آئین کے مصنفین چاہتے ہی نہ تھے کہ ملکِ پاکستان میں اسلام کا دور دورہ ہو جائے۔ اپنی اس چاہت کی تکمیل میں انہوں نے الٹا کان پکڑا تو اس طرح کہ آئین قرار دیئے جانے والا کتابچہ تو بنایا اپنی اور رسمِ زمانہ کی خواہشات کے مطابق لیکن کچھ لوگوں کے اصرار پر اس میں لکھ دیا کہ اسے بعد میں مسلمان کیا جائے گا۔ خود ساختہ آئین کی تدوین وترتیب البتہ اس یقین کے ساتھ کی کہ کوئی مائی کا لعل اگر چاہے بھی تو اسے تا قیامت کلمہ نہ پڑھا سکے۔ ان کی عیارانہ پلاننگ بلکہ پرفریب چال اس قدر کامیاب نکلی کہ

1973ء سے آج تک ایک بھی متبادل قانون قرآن وسنت کے مطابق نہیں بن پایا۔اس دوران دوقوانین کوعدالت میں لایا گیا۔وفاقی شرعی عدالت نے 16 اکتوبر 1989ء کوطرزِ انتخاب کے متعلق دائر کردہ شرعی درخواستوں کا فیصلہ سناتے ہوئے عوامی نمائندگی کے قانون کی دفعات 13‘14‘49‘52 اور 38 (4) (سی) (ii) کوقرآن وسنت کے متصادم قرار دیا اور صدرِ پاکستان کو ہدایت کی کہ 31 دسمبر 1989ء تک متبادل قانون سازی کرلی جائے۔اسی طرح 14 نومبر 1991ء کواسی عدالت نے سود کے متعلق 22 قوانین کوکالعدم قرار دیتے ہوئے ان قوانین کو 30 جون 1992ء تک اسلامی احکامات کے مطابق ڈھالنے کی ہدایت دی۔آج تک ایسا نہیں ہو پایا۔دونوں قوانین عدالت سے غیر شرعی قرار دیئے جانے کے علی الرغم اہلِ پاکستان کا مقدر ہیں۔اس میں کیا شک کہ پچھلی صدی کا یہ سب سے بڑا فریب تھا۔

آخر میں ہم اس سوال کا ذکر کرتے ہیں جوایک صاحب نے راقم الحروف سے پوچھا۔ اس کا سوال تھا کہ دورِ خلافتِ راشدہ کے بعد گزشتہ ادوار میں بھی کسی نے نظامِ خلافت قائم کرنے کا پرچار کیا ہے یا یہ آپ کی اختراع ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ دور کی تو کیا بات سیالکوٹ میں پیدا ہونے والا اور لاہور میں دفن ہونے والا ایک صاحبِ دل قیامِ خلافت کی تاکید کرتا ہے تو یوں:

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار　　لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

جمہوریت کے متعلق بھی علامہ اقبالؒ نے (شیطان کی زبان میں) فرمایا:

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس　　جب ذرا آدم ہوا خود شناس وخود نگر

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام　　چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

علامہؒ نے یہ بھی فرمایا:

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست　　باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک

اور پھر یہ بھی:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی　　یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

دوامِ خلافت کا مسنون طریقِ کار

(گزشتہ شمارے میں ہم نے ''قیامِ خلافت کے مسنون طریقہ'' پر روشنی ڈالی تھی حسبِ
پروگرام اس شمارے میں ''دوامِ خلافت کا مسنون طریقہ'' دیا جارہا ہے)

یاد رہے چاروں خلفاء راشدین کا انتخاب تو ہوا لیکن قدرے مختلف طریقے سے۔ تاہم طریقہ ہائے انتخاب میں قرآن وسنت پر مبنی چند مشترکہ اصولی ضوابط اختیار کئے گئے جو یوں ہیں:۔

۱۔ کوشش کی گئی کہ قیادت اہلِ امانت کو سونپی جائے اور اس قرآنی ضابطے کی حرف بہ حرف پیروی ہو جو یوں ہے کہ ''مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو.....'' (النساء:58)۔

۲۔ حقِ حکمرانی صرف ایک سربراہ یعنی خلیفہ کو سونپا گیا باوجود یکہ اسلامی مملکت کی حدود بے حد وسیع ہوگئیں۔ آج اسلامی دنیا پر ایک خلیفہ کا حقِ حکمرانی چھین کر اگر 57 حکمران مسلط ہیں تو سب کے سب غاصب اور واجب القتل ہیں اس لئے کہ رسولؐ کا ارشادِ مبارک ہے کہ ''جب دو خلیفہ سے بیعت کی جائے تو جس سے اخیر میں بیعت ہوئی ہو اسے قتل کرو (اس لئے کہ اس کی خلافت پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے باطل ہے)'' (مسلم)۔ بالفاظِ دیگر اسلام جب ایک سے دو خلفاء ہونے ہی کی اجازت نہیں دیتا تو متعدد حکمرانوں کا کیا سوال؟

۳۔ ولی عہد بنانے کی قطعی ممانعت

۴۔ امیدوار کھڑا ہو کر کسی کو بذریعہ کنوسینگ اپنے حق میں کرنے کی دوٹوک نفی۔ ہادیٔ برحقؐ کا ارشادِ گرامی ہے ''خدا کی قسم ہم نہیں دیتے عہدہ اس شخص کو جو اس کی درخواست کرے اور جو اس کی حرص کرے'' (مسلم)۔ یاد رہے آج کی دنیا میں اس دھرتی کے مکینوں کو کسی سیلاب، کسی زلزلے اور کسی ایٹم بم سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ رسولؐ کے اس ارشادِ مبارک سے انحراف سے۔ آج دنیا میں جس قدر ظلم واستحصال، فتنہ وشر، بدامنی وبے چینی، سفارش ورشوت، اقرباء پروری و

دہرا معیار' جدی دشمنیاں اور ہارس ٹریڈنگ وغیرہ ہیں ان سب کا سرچشمہ ایک فرد کا دوسرے فرد کے ووٹ کا محتاج ہو جانا ہے۔

۵۔ خلیفہ کا انتخاب محض اربابِ حل وعقد کی رائے سے ہوا' امت کے ہر فرد نے ان انتخابات میں حصہ نہ لیا۔ اصل میں قرآن کے مطابق دنیا میں وقت کے ہر موڑ پر لوگوں کی اکثریت ہمیشہ جاہلوں کی ہوتی ہے (اکثر الناس لایعلمون) لہٰذا جس نظام کی اٹھان لوگوں کی اکثریت پر ہو اس میں ہمیشہ جاہل ہی آگے آئیں گے۔ ''الناس'' یعنی مسلموں اور غیر مسلموں دونوں کا انتخاب میں حصہ لینا تو درکنار اسلام تو اس سے بھی ایک قدم آگے جاتا ہے اور وہ پوری مسلم آبادی کو بھی اس بکھیڑے میں نہیں ڈالتا کہ وہ انتخابات میں حصہ لے' چناؤ کا بوجھ وہ صرف اربابِ حل وعقد پر ڈالتا ہے۔ یاد رہے اسلام میں خلیفہ کی جگہ خالی ہونے کے تین دن کے اندر اندر اسے پر کرنا ہوتا ہے اور ایسا تبھی ممکن ہے کہ صرف اربابِ حل عقد' جو حقیقت میں عوام کے خود معتمد ہوتے ہیں' اس مرحلہ کو سر کریں۔

۶۔ اہل اور قابل ترین قیادت کو آگے لانے کے لئے قرآنی معیارِ اہلیت' جو پانچ اوصاف' ایمان (النور:55)' تقویٰ (الحجرات:13)' صلاح (النور:55)' علم اور جسم (البقرۃ:247) پر مشتمل ہے' کی پابندی کی گئی۔

۷۔ ایک دفعہ منتخب ہو جانے والی قیادت کو ہٹانا درج ذیل صرف تین صورتوں میں جائز ٹھہرا ورنہ تاحیات قائم دائم۔

☆ وفات پا جانے کی صورت میں

☆ ازخود معذرت کر لینے کی صورت میں

☆ قرآنی معیارِ اہلیت میں سے کسی ایک یا کئی اہلیتوں میں کمی آنے کی صورت میں۔

دورِ خلافتِ راشدہ میں مؤخر الذکر دونوں صورتوں کی نوبت نہ آئی لہٰذا پہلی ہی صورت کو اختیار کیا گیا۔

۸۔ اہلِ اقتدار تو بہرحال حزبِ اقتدار، باقی پوری امت حزبِ اختلاف تھی۔ کوئی بھی امتی کسی بھی وقت قیادت کا احتساب کر سکتا تھا۔ آج کی طرح کی متحارب حزبِ اقتدار و حزب اختلاف کا کوئی وجود نہ تھا۔

۹۔ منتخب ہونے کی صورت میں خلیفۂ وقت پر درج ذیل دو مزید قدغنوں کی پابندی لازمی تھی۔

☆ اوسط سطح کے شہری کی بود و باش اختیار کرنا۔

☆ دارالخلافت کی مرکزی مسجد کا خطیب و امام ہونا۔

زمانی و مکانی ضروریات کے پیشِ نظر نوعیت کے اعتبار سے طریقِ انتخاب قدرے مختلف تو ہو سکتا ہے لیکن شرعاً وہی طرزِ انتخاب جائز ہوگا جو مندرجہ بالا شرعی حدود کا پابند ہو ورنہ ناجائز، خواہ ایک ہی شرط کی خلاف ورزی کیوں نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کو اسی لئے دورِ خلافتِ راشدہ کا حصہ سمجھا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ انحراف کے بعد ان کے دور میں ایک دفعہ پھر ان شرائط کی پابندی کی گئی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کیا کوئی ایسا طرزِ انتخاب وضع کر لینا ممکن نہیں کہ جس کے ذریعہ قرآن و سنت پر پورا اترنے والی قیادت ہی آگے آئے۔ ایسا کرنا سو فیصد ممکن ہے۔ ذیل میں ہم پاکستان کو بطور مثال لے کر ایک ایسے ہی طرزِ انتخاب کا ذکر کرتے ہیں۔

مجوزہ طرزِ انتخاب

جب معیاری لوگ آگے لانے ہوں تو ضروری ہے کہ وہ ادارہ یا معیار جو اہل لوگوں کی نشاندہی کرے، ایک ہی ہو۔ دارالسلام (اسلام کی مملکتِ واحدہ) کی سطح پر ایسا واحد ادارہ الیکشن کمیشن ہی ہو سکتا ہے یعنی ہر صوبہ میں صوبائی الیکشن کمیشن تو دارالسلام کی سطح پر وفاقی الیکشن کمیشن۔ پہلے مرحلے میں چونکہ صوبائی امراء کا انتخاب مطلوب ہے لہٰذا ہر صوبے میں مثال کے طور پر پاکستان میں پاکستان کا الیکشن کمیشن حسبِ ضرورت یا مثال کے طور پر پچاس الیکشن پینل بنائیگا۔ ہر پینل تین ایسے افراد پر مشتمل ہوگا جن کی شرافت اور دیانتدارانہ شہرت مسلمہ ہو۔ یاد رہے اسلامی

تعلیمات کے مطابق ایسے نیک سیرت انسان وقت کے ہر موڑ پر موجود ہوتے ہیں۔الیکشن پینلوں کی تشکیل کے ساتھ ساتھ پورے پاکستان کو مناسب سائز کے حلقوں میں تقسیم کرلیا جائے (حلقے کا سائز موجودہ قومی اسمبلی کے حلقوں کے برابر بھی ہوسکتا ہے)۔ ہر حلقہ کے لئے مقرر کردہ الیکشن پینل اپنے حلقہ میں سات دن مختلف ریسٹ ہاؤسوں' یونین کونسل کے دفتروں یا دوسری مناسب جگہوں پر اس پروگرام کے تحت قیام کرے کہ جس کا پہلے سے اخبارات واشتہارات کے ذریعہ اعلان کیا جائے۔اس ساری سعی کا مقصد یہ ہے کہ متعلقہ پینل حلقے کے لوگوں سے اس قدر قریب تر رابطہ قائم کرے کہ گویا اہالیانِ حلقہ کا ہی حصہ بن جائے۔اپنے قیام کے دوران متعلقہ آبادی میں سے بہ مشورہ عوام ایسے لوگوں کی خفیہ فہرست تیار کی جائے کہ جو قرآنی معیارِ اہلیت کے حامل ہوں۔ فہرست تو پہلے ایسے تقریباً 150 افراد (مردوں) کی تیار کی جائے لیکن کانٹ چھانٹ اور کراس چیکنگ کے بعد اسے 100 افراد تک محدود کر دیا جائے۔اس طرح سات دنوں میں 50 پینل پچاس حلقوں کی فہرستیں تیار کرلیں گے۔اسی حساب سے کم وبیش 150 حلقوں کا سروے تقریباً تین ہفتوں میں مکمل ہو جائے گا۔سروے مکمل ہونے کے سات دن کے اندر اندر صوبائی الیکشن کمیشن انہی ممبرانِ پینل کی خدمات سے استفادہ کرتے ہوئے ہر حلقہ کی فہرست میں شاملِ کردہ 100 افراد کو متعلقہ حلقہ ہی میں کسی ایک جگہ پر برائے مشورہ طلب کرے۔ضروری نہیں کہ ایسے تمام اجتماعات پورے صوبے میں ایک ہی دن ہوں۔لیکن اگر ہوں بھی تو کوئی حرج نہیں۔

مشورہ کے اغراض ومقاصد بتانے کے بعد بلائے گئے افراد میں سے ہر ایک کو 100 افراد کی تیار کردہ فہرست کی ایک کاپی مہیا کی جائے اور اسے فہرست میں دیئے گئے افراد میں سے مطلوبہ (پاکستان کی صورت میں مثلاً دس) افراد کو جن کو کہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ قرآنی معیارِ اہلیت پر بدرجہ اتم پورے اترتے ہیں خفیہ طور پر ٹک کرنے کو کہا جائے۔جو شخص اپنے نام کو بھی ٹک کرے اس کے مشورے کو نہ صرف مسترد کر دیا جائے بلکہ اسے کسی بھی عہدے کے لئے نااہل قرار دیا جائے۔ اس طرح سے جو شخصیت سب سے زیادہ ٹک ہوا سے متعلقہ صوبہ کی طرف سے وفاقی شوریٰ کا رکن

ہونے کی سعادت ہو۔ جو دوسرے نمبر پر آئے اسے صوبائی شوریٰ کا رکن گردانا جائے۔ باقی ٹک شدہ افراد میں سے مطلوبہ تعداد کو زونل شوریٰ کا رکن بنایا جائے۔ اس کے لئے ہر صوبے کو ایک کروڑ آبادی پر مشتمل زونوں میں تقسیم کیا جائے۔ ہر زون کی انتظامیہ علیحدہ اور ایک گورنر کی سربراہی میں ہو (اس مرحلے پر پاکستان کے غالباً 15 زون بنانا ہوں گے) اگر کوئی منتخبہ شخص معذرت کر لے تو ظاہر ہے پھر فہرست میں ٹک کردہ اگلے فرد کو لیا جائے گا۔

امیر المؤمنین کا چناؤ وفاقی شوریٰ کے ارکان آپس میں اسی طرح بغیر کسی رکنِ شوریٰ کے امیدوار کھڑا ہونے کے خفیہ رائے دہی سے کریں۔ صوبائی امراء کا چناؤ صوبائی شورائیں کریں اور زونل گورنروں کا انتخاب زونل شورائیں کریں۔ وفاقی وزراء کا انتخاب خلیفۂ وقت اور صوبائی وزراء کا چناؤ صوبائی امراء کی صوابدید پر ہو۔ نیز ملکی سطح پر ایسے انتخابات پوری تاریخ میں صرف ایک ہی دفعہ ہوں۔ کسی رکنِ شوریٰ کی سیٹ خالی ہونے کی صورت میں صرف متعلقہ حلقہ میں دوبارہ انتخاب ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا تجویز کردہ طرزِ انتخاب جملہ اسلامی تقاضوں کو پورا کرتا ہے، تاہم حرفِ آخر نہیں۔ قرآن وسنت کی شرائط کی پابندی کرتے ہوئے طرزِ انتخاب میں حسبِ ضرورت ردوبدل کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ طرزِ انتخاب نہ صرف سستا، آسان، مختصر وقت میں اور معمولی عملہ سے مکمل ہونے والا ہے بلکہ مروجہ انتخابی شور شرابے، گروہی و جماعتی محاذ آرائیوں اور برادریوں کی مخاصمتوں سے بھی قطعی پاک ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دارالسلام، صوبائی اور زونل سطح پر انتخاب صرف ایک ہی دفعہ درکار ہے، پھر کبھی نہیں۔ اس کا یہ بھی طرۂ امتیاز کہ صرف اہل اور امانتدار افراد ہی قیادت پر متمکن ہو سکتے ہیں، ووٹر کی محتاجی کا کوئی سوال نہیں۔ دور دراز کا ایک غریب دیہاتی بھی ذاتی اہلیت کی بنا پر عوامی نمائندہ اور حکمران منتخب ہو سکتا ہے۔